خیر البشر صلّی اللہ علیہ وسلّم

محمدؐ از تو مے خواہم خدا را   خدایا از تو عشق مصطفےؐ را

رسالہ "نورانی تقریر" مدرسہ مظہر الاسلام منڈی واربرٹن ضلع شیخوپورہ کے صدر مدرس مولانا نور محمد صاحب کا تحریر کردہ نظروں سے گزرا ہے، اس میں آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے بشر نہیں تھے۔ بظاہر جو کچھ نظر آتا تھا، وہ آپؐ کا صرف بشری لباس تھا۔ مندرجہ ذیل سطور میں مولانا موصوف کے اسی رسالہ کا ایک مختصر سا مگر حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مولانا موصوف کے اس اندازِ تخاطب سے پرہیز کیا جائے، جو اس رسالہ میں انھوں نے اختیار کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے غرض، حق کی نشاندہی ہے، مناظرہ نہیں ہے!

اختلافِ آراء

مزاج، استعداد اور محرکات، سب لوگوں کے ایک سے نہیں ہوتے، بلکہ جدا جدا ہوتے ہیں۔ اس لیے انسانوں کی پسند ناپسند اور افکار و خیالات میں جو تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے، ہم اسے بالکل قدرتی بات تصوّر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ اختلافات بھی بے ساختہ اور قدرتی ہوں!—— غلط محرکات اور فاسد اغراض سے مبرّا اور پاک ہوں۔ ورنہ اس تنوع اور اختلاف کا ہر مظہر رحمت کے بجائے زحمت، اور دین وایمان کی عافیتوں کے لیے سخت مہلک ثابت ہوتا ہے۔ اختلافِ آراء کا اظہار تو مفید ہوتا ہے اور مسائل کے سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے، لیکن رسہ کشی مضر ہوتی ہے۔ اس سے وحدتِ ملت کو نقصان پہنچتا ہے اور مسائل سلجھنے کے بجائے اور الجھتے ہیں۔ اصولِ فقہ میں مختلف مکاتبِ فکر کے اختلافِ آراء اور بوقلموں افکار کو کنٹرول کرنے کے لیے یہ "اصول" وضع کیا گیا ہے کہ ہر مکتبِ فکر یہ تصور کرے کہ وہ خود راہِ صواب پر ہے، لیکن خطا کا امکان باقی ہے۔ اور دوسرا فریق خطا پر ہے، مگر صواب کا امکان رکھتا ہے۔ اس فارمولا اور اصول کا ایک فائدہ

یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی رائے پر بے جا اصرار سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان فریقِ ثانی کے سلسلہ میں بدگمانیوں یا اُن کی تحقیر سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر افسوس اس اصول کا دامن ہم سب کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ

بشریت اور نور

ہمارے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت متنازع فیہ شے نہیں ہے، اور نہ اسلاف میں اس سلسلہ میں دو رائیں پائی گئی ہیں۔ اس لیے ائمہ دین نے اس مسئلہ سے کبھی بحث نہیں کی۔ بلکہ یہ اختلاف عہدِ حاضر کے بعض بزرگوں کے وفورِ جذبات اور کچھ خوش فہمیوں کا پیدا کردہ ہے۔ اس لیے ہمیں اس طرف توجہ دینی پڑی ہے، ورنہ ہم اسے قطعاً زیرِ بحث نہ لاتے۔

معیار

اختلاف چھوٹا ہو یا بڑا، بہر حال اگر وہ نیک نیتی پر مبنی ہو تو اس کے بارے میں ہر راہی کا یہی جی چاہتا ہے کہ اختلاف کے اس جھگڑے میں صحیح اور حق کی روشنی اسے کسی طرح نظر آجائے۔ اور اختلاف کی صورت میں اس کو اپنے دل میں جو خلش محسوس ہوتی ہے، اس سے اس کو نجات مل جائے۔ ہمارے نزدیک ایسے لوگوں کی یہ خواہش بالکل بجا خواہش ہوتی ہے!

اختلافات اپنی رائے پر اصرار کیے جانے سے حل نہیں ہوتے۔ ان کے حل کے لیے کچھ اصول اور معیار ہوتے ہیں، جن کو فریقین اگر نیک نیتی سے اپنانے کی کوشش کریں تو وہ اختلافات میں رسہ کشی اور ان کے تصادم سے بال بال بچ جائیں۔ اختلافات جس نوعیت کے ہوتے ہیں، معیار بھی اسی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔ دین و ایمان کے لیے اصل کسوٹی اور معیار کتاب و سنت ہیں، رجال اور اشخاص نہیں ہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت یا نورانیت کے سلسلہ میں جو بات کی جائے، وہ کتاب و سنت کی ترازو میں ہی تول کر کی جائے۔ ورنہ اس کے سوا دوسری اور کوئی بھی شے قاطع نزاع ثابت نہیں ہوگی۔

کتاب وسنت

کتاب و سنت میں جو کچھ ہے، اس کا ظاہر باطن بالکل ایک ہے۔ اس کے ظاہر باطن میں نہ تکلف ہے اور نہ تضاد۔ ان کے فحوائے کلام سے جو متبادر ہوتا ہے، اس میں "باطنیت" کی تلاش نے قرآن و حدیث کو کتابِ حکیم کے بجائے چیستان بنا کر رکھ دیا ہے۔ بلکہ اس طرح بدنیت لوگوں کو راہِ فرار بھی مہیا ہو گئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قادیانیت ہو یا پرویزیت، شیعیت ہو یا بریلویت، سبھی اسی "اسلوبِ کج" کے

پیدا کردہ ہیں تو اس میں قطعاً مبالغہ نہیں ہوگا۔

حدیثِ پاک سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معلوم کرنے کے لیے حدیثِ پاک کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ بات انتہائی احتیاط کا تقاضا کرتی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی طرف ایک ایسی بات منسوب کرنا جو آپؐ نے نہ کہی ہو، نہ کی ہو اور نہ آپؐ میں وہ پائی جاتی ہو، غضبِ الٰہی کو بھڑکانے والی بات ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"مَن یَقُل عَلَیَّ مَا لَم اَقُل فَلیَتَبَوَّأ مَقعَدَہٗ مِنَ النَّار"

(دار قطنی۔ عن سلمہ بن الاکوعؓ)

"جس نے میرے متعلق ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے"

حضرت رافع ابن خدیجؓ فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ ہم بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ آپؐ تشریف لے آئے۔ فرمایا "کیا باتیں کرتے ہو؟" عرض کی "حضورؐ! جو آپؐ سے سنی ہیں۔" فرمایا "بے شک کرو (پر یہ) یاد رہے کہ جس نے میرے بارے میں کوئی جھوٹی بات کہی، اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے!" (طبرانی)

آپؐ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا: "سب سے بڑا افتراء یہ ہے کہ میری طرف ایسی بات منسوب کی جائے، جو میں نے نہیں کہی" (بزار۔ ابنِ عمرؓ)

نیز فرمایا:

"اشتدّ غضب اللہ تعالیٰ علیٰ من کذب علیّ متعمّدًا"

(مدخل للحاکم۔ عن جابرؓ)

"اس شخص پر اللہ کا غضب تیز ہوا، جس نے عمدًا مجھ سے جھوٹی بات منسوب کی"

یہ بھی ارشاد ہوا کہ:

"من کذب علیّ متعمّدًا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والنّاس اجمعین لا یقبل منہ صرف وّلا عدل" (مدخل)

"جس نے مجھ پر جھوٹ بولا، اس پر اللہ کی لعنت! ملائکہ کی لعنت اور سارے لوگوں کی پھٹکار! اس سے کوئی معاوضہ نہیں قبول کیا جائے گا"

(عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہٖ)

اس مضمون کی حدیثیں بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، مسند احمد، بزار، ابویعلیٰ، عقیلی، حاکم سبھی کتابوں میں روایت کی گئی ہیں، محدّثین کے نزدیک اس مضمون کی حدیثیں حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔

الغرض بے دھڑک ہوکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ایسی بات منسوب کرنا، جس کے متعلق غالب ظن کی حد تک اطمینان نہ حاصل کرلیا گیا ہو شرعاً جائز نہیں ہے اور اس پر ثواب کی بجائے عذاب ہوگا۔ مگر افسوس! جس قدر یہ معاملہ احتیاط طلب تھا، اتنا ہی اس کے بارے میں غفلت برتی جارہی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر مصدقہ اور غیر ذمہ دارانہ باتیں منسوب کی جارہی ہیں۔

اسناد اس عذابِ الٰہی اور وعیدِ شدید سے بچنے کے لیے صحابہؓ اور امامانِ دینؒ نے یہ تجویز کیا ہے کہ اس وقت تک کوئی حدیث قبول نہ کی جائے، جب تک اس کی سند نہ پیش کی جائے۔ سند دیکھ کر راویوں کی جانچ پڑتال کی جائے، مضمون اور مفہوم کے اعتبار سے اس کو جانچا پرکھا جائے۔ جب اس بارے اطمینان حاصل ہوجائے، پھر اس کو بیان کیا جائے ——— لیکن اس وقت بھی یہ شرط ہوگی کہ وہ بات سننے والوں کے فہم سے اونچی نہ ہو اور اس سے کسی غلط رجحان کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا:

"الاسناد من الدین ولولا الاسناد یقال من شاء ماشاء"

(مقدمہ مسلم وغیرہ)

"اسناد دین کا حصہ ہیں۔ اگر اسناد نہ ہوتیں تو جس کے جی میں جو آتا کہہ دیتا"

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ سند کے راوی صرف بیان کردیے جائیں، بلکہ اس سے غرض یہ ہے کہ رجالِ حدیث کی معرفت بھی اسے حاصل ہو۔ تاکہ کسی مجہول یا مجروح یا متہم یا کسی غیر ثقہ راوی سے کوئی روایت نہ کرپائے:

"ولا یعنون حدثنی فلان عن فلان مجرداً بل یریدون ذٰلك لما تضمنه فی معرفة الرجال الذی یحدث عنهم حتی لا یسند عن

مجہول ولا مجروح ولا متہم ولا عمّن لا تحصل الثقۃ بروایۃ "
(کتاب الاعتصام ص۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :
"ما انت بمحدّث قومًا حدیثًا لا تبلغہ عقولھم الاکان لبعضھم فتنۃ " (مقدمہ مسلم)
"جب تو لوگوں سے ایسی حدیث بیان کرے جو ان کی عقل سے بالاتر ہو، تو بعض لوگوں کے لیے اس میں فتنہ ہوگا"

کتابیں

ساری کتابیں اور ساری کتابوں کے سارے مصنّف ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بعض اعلیٰ، بعض درمیانے، بعض ادنیٰ اور بعض پریشان کن حد تک گھٹیا ہوتے ہیں۔ اس لیے محض کسی کتاب کا نام اور حوالہ سن کر یہ فرض کر لینا کہ بس بات پکی ہو گئی، غلط بات ہوتی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : اماماِن دین نے یہ تصریح کی ہے کہ بڑی بڑی کتابوں میں بڑے بڑے جلیل القدر بزرگوں نے جو حدیثیں درج کی ہیں، جب تک وہ سند نہ پیش کریں، ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ ہدایہ (حنفی) اور رافعی (شافعی) میں بھی بعض ایسی روایات ملتی ہیں جن کا کوئی اتہ پتہ نہیں ملتا۔

نورانی تقریر کے حوالے

نورانی تقریر کے مصنف نے مندرجہ ذیل کتب کے حوالے پیش کیے ہیں :

مدارج النبوۃ المحدّث دہلوی۔ معارج النبوۃ للکاشفی، حکیم ترمذی، مصنف عبدالرزاق، سیرۃ حلبی، مستطاب الانوار المحمدیہ نبہانی، شفا قاضی عیاض، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبیؐ المختار (للمومن بن حسن) موضوعاتِ کبیر، بیضاوی۔ شرح مسلم العلوم۔ زرقانی، حاشیۃ التعلیق العجیب للعبدالحی۔ اشعۃ اللمعات۔ بخاری۔ مسلم۔ دارمی اور مواہب۔

شرح مسلم اور حاشیۃ التعلیق حدیث کی کتابیں نہیں ہیں۔ بخاری، مسلم و دارمی حدیث کی کتابیں ہیں، مگر جو روایات پیش کی ہیں ان کا بشریت کی نفی سے کوئی تعلق نہیں۔ مصنف عبدالرزاق تیسرے طبقہ کی کتاب ہے جس میں سبھی قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ اس لیے یہ کتاب آنکھیں بند کر کے پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ (عجالہ نافعہ شاہ عبدالعزیز دہلوی)

ــــــ اور نورانی تقریر میں مصنّف عبدالرزاق کے حوالہ سے جو حدیث پیش کی گئی ہے، اس کی مولانا موصوف نے سند بھی پیش نہیں کی۔ رہی سیرۃ حلبی، مدارج النبوۃ، معارج، حکیم ترمذی، شفاء اور مواہب، ان کا تو پوچھیے نہیں۔ ان میں وہ کچھ ملتا ہے، جو آپ سن بھی نہیں سکتے۔ اس لیے ان کی کوئی بھی بات چھان پھٹک کیے بغیر قبول کرنا ناجائز لکھا ہے۔

(مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہ)

موضوعات کبیر میں ساری موضوع حدیثیں قلم بند ہیں۔ نور الابصار اور مستطاب الانوار، یہ دونوں بھی سندوں سے خالی اور غیر معروف کتابیں ہیں۔ اکثر اقوال ہیں اور بلا دلیل ہیں۔ اگر کہنے والے صرف گِنے گئے جائیں تو پھر دنیا میں کونسی ایسی بات رہ جاتی ہے جس کے کہنے والے باقی نہ رہے ہوں، یا اس کا کوئی قائل نظر نہ آتا ہو؟

مضامین نورانی تقریر کے مصنّف نے آیات اور احادیث کی جو تشریح فرمائی ہے، وہ اسلاف کی تشریح اور توضیح کے بالکل خلاف ہے۔ آپ کی تشریح میں اضافے ہیں یا باطنیت کے چر کے ہیں۔ فحوائے کلام سے جو متبادر اور مترشح ہوتا ہے، اس سے گریز اور فرار ہے۔

ان تمہیدی سطور کے بعد اب آپ " نورانی تقریر" کا تفصیلی جواب ملاحظہ فرمائیں:

نُور نورانی تقریر کے مصنف نے مندرجہ ذیل آیت خیر البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کے اثبات میں لکھی ہے:

" قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللهِ نُورٌ ـــــ الآیۃ !" (پارہ ۶ سورۃ المائدہ رکوع ۳)

" بے شک تمہارے پاس نورِ عظیم تشریف لایا " (ص ۲)

اس کے بعد فاضل بزرگ نے مصنف عبدالرزاق سے ایک حدیث نقل کی ہے ـــــ مگر افسوس! آپ نے اس کی سند نقل نہیں کی۔ حالانکہ امامانِ دین نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ تیسرے طبقہ کی کتاب ہے۔ اور تیسرے طبقہ سے استفادہ کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ سند اور مضمون کے لحاظ سے، پہلے اس کی روایت کی اچھی طرح چھان بین کر لی جائے۔ اور چھان بین بھی وہ کرے، جو اس کا اہل ہو اور علل حدیث پر کھنے میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ کیوں کہ تیسرے طبقے کی جو کتابیں ہیں، ان کے راوی بھی عموماً تھرڈ کلاس (تیسرے درجہ) کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کو جو یاد رہا ٹھیک! جو یاد نہ رہا، اس کو بھی وہ اندازے اور

رتیر تکے سے بیان کیا کرتے ہیں۔ اس تیسرے طبقہ کی کتابوں کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز
محدث دہلویؒ عجالۂ نافعہ میں لکھتے ہیں کہ :

"والتزام صحت نمودہ و کتب آنہا در شہرت و قبول در مرتبۂ طبقہ اوّل و دوم نرسید
ہر چند مصنفینِ آں کتبِ موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق و عدالت
وضبط و احادیث صحیح و حسن وضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ مے
شود و رجالِ آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند و بعضے مستور و بعضے مجہول
و اکثر آں احادیث معمول نہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع بر خلاف آنہا منعقد
گشتہ . . . . اسمائے آں کتب ایں است، مسند شافعی، سننِ ابن ماجہ،
مسندِ دارمی، مسند ابی یعلیٰ، موصلی، مصنف عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبۃ الخ"
(عجالۂ نافعہ ص)

"اصل میں (ان کی) صحت کا انھوں نے التزام نہیں کیا۔ اور جو شہرت اور مقبولیت
طبقہ ۱ اور طبقہ ۲ کو حاصل ہوئی وہ ان کی کتابوں کو نہ ہوئی۔ اگرچہ ان
کتابوں کے مصنفین (بذاتِ خود) علوم حدیث اور وثوق اور عدالت اور ضبط میں
متبحر تھے، لیکن احادیثِ صحیح، حسن، ضعیف بلکہ موضوع تک ان میں پائی جاتی ہیں۔
اور ان کتابوں کے راوی بعض ثقہ ہیں، بعض غیر معروف اور مجہول ہیں ـــ اور ان
کتابوں کی اکثر احادیث ائمہ فقہاء کے ہاں معمول بہ نہیں ہیں بلکہ ان کے ترک
کرنے پر اجماع منعقد ہوا ہے ـــــ ان کے نام یہ ہیں : مسند شافعی (یہ کتاب
حضرت امام شافعیؒ کے نام پر جمع کی گئی ہے، بذاتِ خود آپ نے جمع نہیں کی)
ابنِ ماجہ، دارمی، مسند ابو یعلیٰ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ
ـــ الخ"

حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ :

"فانّ اخبار الاحاد التی فی غیرھما یجب العمل بھا اذا صحت
اسانیدھا" (نووی شرح مسلم)

"یعنی بخاری اور مسلم کے ماسوی دوسری کتابوں کی اخبارِ احاد اس وقت واجب العمل
ہوں گی، جب ان کی سندیں صحت کو پہنچ جائیں گی"

نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ :

"اما بقیۃ السنن والمسانید التی لم تلزم مصنفوھا الصّحۃ فما وقع التّصریح بصحّتہ اوحسنہ منھم اومن غیرھم جاز العمل بہ، وما وقع التّصریح کذالک بضعفہ لم یجز العمل بہ وما اطلقوہ ولم یتکلّموا علیہ ولا تکلّم علیہ غیرھم لم یجز العمل بہ الا بعد البحث عن حالہ، ان کان الباحث اھلاً لذلک"

(نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار)

یعنی" اس کے سوا جتنی ایسی سنن اور مسانید ہیں، جن کے مصنفین نے ان میں صحت کا التزام نہیں کیا، ان کے لیے ضروری ہے کہ جس حدیث کی صحت یا یا حسن کی، وہ خود یا کوئی دوسرا (امام) تصریح فرما دے، تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح جس حدیث کے ضعیف ہونے کی وہ تصریح کر دیں، اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور جن حدیثوں کو ان کی صحت اور ضعف بیان کیے بغیر انھوں نے چھوڑ دیا ہے ـــــ نہ خود اس پر کلام کیا اور نہ دوسرے نے، تو ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ تاوقتیکہ اس کے حال سے پہلے بحث نہ کر لی جائے، بشرطیکہ وہ شخص اتنی تحقیق کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔"

یہ ہے وہ مصنف عبد الرزاق جس سے نورانی تقریر کے مصنف نے حدیث نقل کی ہے ـــــ یعنی جس کتاب میں موضوع تک حدیثیں ملتی ہوں، اب اس حدیث کی سند کا حال دیکھے بغیر کوئی کیسے اسے باور کرے ؟

اس کے بعد آپ نے بتایا ہے کہ نور سے کیا مراد ہے، اور "مِن نُّورِہٖ" کے کیا معنی ہیں؟ اس کے ساتھ آپ نے ان آیات کو پیش فرمایا ہے جن میں نورانی فرشتہ کا "بشری لباس" میں آنا مذکور ہے۔ اور ان روایات کا بھی سہارا لیا ہے جن میں آپؐ سے نور کی کرنیں پھوٹ پھوٹ پڑنے کا ذکر ہے۔ اور ساتھ ہی اس بے اصل روایت کا بھی ذکر فرمایا ہے، جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایہ کے نہ ہونے کا ذکر ہے ـــــ اور ساتھ ہی "بے دلیل اقوال" بھی ـــــ بس یہ ہے اس "نورانی تقریر" کا خلاصہ! ـــــ اب آپ ترتیب وار ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں :

آیتِ نور | نورانی تقریر کے مصنّف فرماتے ہیں : "حضرات! ہمارے پاس ایسا رسول بھیجا جس

کی حقیقت نوری اور لباس بشری ہے :

"قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ"

"بے شک تمہارے پاس نورِ عظیم تشریف لایا۔ اس سے حقیقت نوری کا اثبات ہے۔" (ص۱)

نور آگے چل کر فرمایا :

"حضور کا نور سب سے اوّل اللہ تعالیٰ کے نور سے مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے اوّل حضور کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر اسی نور سے ملائکہ اور انبیاء اور آسمان و زمین اور باقی مخلوقات پیدا فرمائیں۔" (ص۴)

"مِنْ نُوْرِہٖ ای من نورہ ھو ذاتہ"

یعنی "اللہ عزّ وجل نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذاتِ الٰہی ہے۔ اسی لیے" من نور جمالہ یا نور علمہ یا نور رحمتہ" وغیرہ نہ فرمایا کہ حضور کا نور، نورِ صفات سے تخلیق ہو۔" (ص۷)

عجیب تضاد اس تعریف پر اعتراض وارد ہوا کہ اس طرح تو خدا کا نور ٹکڑے اور متجزی ہو گیا ؟

اس کے جواب میں فرمایا : "وہابیہ نے حسد و عناد یا جہالت (نوریوں کی زبان کی شیرینی ملاحظہ فرمائیں) کی بناء پر نورِ مجسم حضرت احمد مجتبیٰ و محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور خدا سے پیدا ہونے کا مطلب نہیں سمجھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ ذاتِ الٰہی رسالت کے لیے مادہ ہے، جیسا کہ انسان کے لیے مٹی مادہ ہے۔"

پھر فرمایا : "اس تخلیق کے اصل معنی تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتے، البتہ اس میں ظاہری فہم کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کو حضور کے واسطے پیدا فرمایا۔ اگر حضور نہ ہوتے تو دنیا نہ ہوتی .... الغرض سارا جہان حضور کے صدقے اور طفیلی پیدا ہوا ہے۔ بخلاف ہمارے حضور عین النور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں بلکہ ذاتِ الٰہی سے بلا واسطہ پیدا ہوئے۔" (ص۹)

پھر اس کے لیے ایک مثال بیان فرمائی کہ : ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ پہلے چراغ کا کوئی ٹکڑا الگ کر اس دوسرے میں نہیں آ جاتا۔" (ص۹)

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

پہلے فرمایا: "اس نور سے پیدا کیا جو عین ذاتِ الٰہی ہے۔" ظاہر ہے یہ شکل وہی ہے، جو انسان کے لیے مٹی کی ہے۔ ورنہ نورِ عین ذاتِ الٰہی کہنا بے معنی سی بات ہے۔ چند سطروں کے بعد فاضل بزرگ نے پھر کروٹ لی اور فرمایا کہ "سارا جہان حضورؐ کے لیے پیدا ہوا، مگر حضورؐ صرف خدا کے واسطے۔" گویا کہ آپ کو "خدا کا نور" کہنا مجاز ہے، حقیقت نہیں ہے۔ پھر یک دم رنگ بدلا اور فرمایا: "بلکہ ذاتِ الٰہی سے بلا واسطہ پیدا ہوئے۔" (ص۹) ظاہر ہے کہ بلا واسطہ تبھی کہا جائے گا، جب براہ راست عین ذات سے پیدا ہوئے ہوں۔ ورنہ بلا واسطہ کہنا غلط ہوگا۔ فاضل بزرگ نے چراغ سے چراغ جلانے کی جو مثال دی ہے، وہ بھی اس کا ثبوت ہے کہ بریلوی دوست حضورؐ کی ذات کو، جو بقول ان کے "بن النور ہے، عین ذاتِ الٰہی کے نور سے ماخوذ مانتے ہیں۔ اور عین ذاتِ الٰہی کے نور کو حضورؐ کے نور کا مادہ تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں کہ دوسرا چراغ پہلے چراغ سے بعینہ ماخوذ ہے، اور پہلا چراغ دوسرے چراغ کے لیے بمنزلہ مادہ کے ہے۔

دراصل نورانی تقریر کے فاضل بزرگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور کہنے کا مطلب نہیں سمجھے۔ اس لیے اس کی تشریح اور توضیح میں ان کو خاصی دقت ہو رہی ہے۔ ہزار پاپڑ بیلے، بے شمار پینترے بدلے، ان گنت تکلفات کا سہارا لیا۔ لیکن بات صاف نہیں کر سکے کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں اور خدا کے نور سے حضورؐ کے نور کی تخلیق کے کیا معنی ہیں؟ کیوں کہ بات وہ نہیں ہے جس کی فاضل بزرگ نے رٹ لگا رکھی ہے، اس لیے بنائے نہیں بن رہی۔

ہم سب اور سارا جہان نور

اس کے علاوہ مولانا موصوف نے جو حدیث بیان کی ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم سب "نور" ہیں، ساری مخلوق نور ہے۔ بلکہ خود فاضل بزرگ نے بھی یہی دعوےٰ کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اوّل حضورؐ کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، پھر اسی نور سے ملائکہ اور انبیاء اور آسمان و زمین اور باقی مخلوقات پیدا فرمائیں۔" (ملاحظہ ہو نورانی تقریر ص۴) ویسے بھی یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ایک چراغ سے جتنے چراغ جلیں گے، سب چراغ ہی ہوں گے دلیے نہیں بن جائیں گے۔ بقول ان کے جو ذاتِ اقدس حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئی اسے نو یہی

ہونا چاہیے۔ اور پھر جو اس سے پیدا ہوں گے، وہ بھی لازمًا نوری بنیں گے۔ اگر یہ نہ مان لیا جائے تو پھر ایک اور بات بھی ضرور حل ہو جائے گی، وہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی بعثت ابنائے جنس کی طرف ہوگی۔ اگر یہ نہ مانیں تو پھر بات نہیں بنے گی۔ ہم خاکی، وہ نوری! —— نوری ہمارے مسائل، مصائب اور طبعی اور نوعی تقاضوں کو کیا جانے؟

وہ اگر ہمارے سامنے اپنی پاک دامنی کی بات کرے، تو کیسے کہا جائے کہ اس نے ان نوعی تقاضوں سے بالاتر ہو کر اپنی عظیم شخصیت کا ثبوت بہم پہنچایا۔

حضورؐ اگر نوری ہوں اور پھر آپؐ نے پیٹ پر پتھر باندھے، تو ہمارے لیے اس میں کیا سبق؟ اگر ان سے گناہ سرزد نہ ہوئے تو ہمارے لیے کیا نصیحت؟ کیوں کہ ان میں تو ان امور کے لیے کوئی تقاضا ہی موجود نہیں۔ اگر نوری جبرئیلؑ امین کچھ نہیں کھاتا پیتا تو اس میں حیرت کی کونسی بات ہے؟ گناہ نہ کیے تو نوری جبرئیل امینؑ نے کونسا میدان مارا؟ نورانیوں کی غذا ہی نیکی اور ذکرِ الٰہی ہے، گناہ تو ان کے لیے ایسی بات ہے، جیسے کوئی بھوکا مر جائے۔

پرتو اور تخلیق میں فرق

مندرجہ بالا اعتراض سے بچنے کے لیے فاضل بزرگ نے یہ فرمایا ہے کہ:

”وہابیہ کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جب حضورؐ کے نور سے مخلوق پیدا ہوئی ہے تو مخلوق میں کفار و مشرکین بھی ہیں۔ وہ محض ظلمت ہیں، تو وہ محض نورِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں کر بنے؟ اور نیز وہ نرے نجس ہیں تو اس نورِ پاک سے کیوں کر مخلوق ہوئے؟ کبھی یوں کہتے ہیں کہ حضورؐ نور ہیں اور سب شے حضورؐ کے نور سے ہے تو سب نور بن جائیں گے۔ اس نورِ پاک سے کیوں کر مخلوق ہوئے؟ اس کا دفع یہ ہے کہ ایک آفتاب کے نور سے ہزاروں آئینے چمک جاتے ہیں اور آفتاب کا نور ہر آئینہ میں نظر آتا ہے۔ تو بطور ظاہر آفتاب کا نور ہزاروں حصوں میں منقسم نظر آیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان سب میں آفتاب کا نور ہے۔ حالانکہ آفتاب منقسم ہوا، نہ اس کا کوئی حصّہ ان آئینوں میں آیا“ (نورانی تقریر ص۱)

فاضل بزرگ شاید بھول گئے ہیں کہ انھوں نے حضورؐ کو خدا کے نور سے اور سارے جہان کو حضورؐ کے نور سے مخلوق بنایا ہے —— اور یہاں آپ پرتو اور عکس کی مثال

رہے ہیں ۔ حالاں کہ پرتو اور تخلیق میں بہت بڑا فرق ہے ۔ پرتو کو دیکھ کر کبھی کسی نے یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ یہ چیز آفتاب سے بنی ہے ۔ اگر آپ یا آپ کے دوسرے بزرگ آفتاب کے نور سے منور دیواروں کا نام تخلیق رکھتے ہیں، تو پھر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہیں ــــــ اور کیا عرض کر سکتے ہیں ؟

(جاری ہے)

(بقیہ صفحہ ۲۶)

سے میری لڑکی کے بال گرتے ہیں ۔ اب داماد کا تقاضا یہ ہے کہ وہ علیحدہ سے بال لے کر اپنے بالوں میں شامل کر لے تاکہ بدصورتی جاتی رہے ۔ حضور کا اس سلسلے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ایسی عورت پر لعنت کی گئی ہے جو الگ سے بال لے کر اپنے بالوں میں جوڑ لے ۔ آپؐ کا ارشاد ہے :

"لاطاعۃ فی معصیۃٍ ، اِنّما الطّاعۃ فی المعروف" (بخاری، مسلم)

"معصیت میں اطاعت نہ کی جائے ۔ فرمانبرداری صرف نیکی کے کاموں میں کی جائے ۔"

(جاری ہے)

شعر و ادب

مولانا عبدالرحمٰن عاجزؔ

جسے اعراض ہو...!

نوازا ہے ہمیں جس ذات نے احسان و منّت سے
غضب ہے جی چرائیں ہم اسی کے حکم و طاعت سے

اگر ہو تیشۂ فرہاد جوئے شیر ملتی ہے !
وہ مشکل کون سی ہے حل نہ ہو جائے جو ہمت سے

ضرور اک روز مظلوموں کی آہیں رنگ لائیں گی
ضرور اک روز ظالم سرنگوں ہوں گے ندامت سے

سکونِ دل میسر ہے، نہ تسکینِ نظر حاصل
گزاریں زندگی ہم کس طرح پھر امن و راحت سے

سراغِ منزلِ مقصود کب پاتا ہے وہ عاجزؔ
جسے اعراض ہو اللہ سے ، قرآں سے ، سنّت سے !